عقیدۂ عصمت انبیا و ائمہ

تاریخ کی روشنی میں

جناب سید محمود حسن قیصر امروہوی

عقیدۂ عصمت انبیاء اسلام کے تمام فرقوں میں ایک بنیادی عقیدہ شمار کیا جاتا ہے۔ امامیہ کے نزدیک چونکہ امامت بھی نبوت کی طرح ایک الٰہی منصب ہے، اس لئے وہ عصمت کے دائرے کو وسعت دے کر ائمہ اثنا عشر علیہم تک لاتے ہیں، نیز کچھ مخصوص نصوص کی بناء پر حضرت فاطمہ بنت رسولؐ کو بھی اس میں شامل کر لیتے ہیں۔ اس عقیدے کی ضرورت اور عدم ضرورت پر حکم لگانا تو میرے منصب سے خارج ہے البتہ یہ ایک محکم عقل ہے کہ انبیاء علیہم السلام چونکہ عامۃ الناس کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوتے ہیں، اس لئے عام انسانی سطح سے ان کو بہت بلند ہونا چاہیئے، تیز ان کے لئے کسی بھی قسم کی اخلاقی خرابی کو تجویز کرنا یقیناً ایک جرأت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جمہور مسلمین میں یہ عقیدہ بغیر کسی اختلاف کے نہایت آسانی سے قبول کر لیا گیا اور فخرالدین رازی سے لے کر اب تک، سوائے امام غزالی کے، کسی نے اس سے اختلاف نہیں کیا۔ رہا یہ امر کہ مسلمان ہونے کے لئے یہ عقیدہ رکھنا کس حد تک ضروری ہے، اس کے لئے صرف حکم عقل کو بنیاد نہیں قرار دیا جا سکتا جب تک اس سلسلے میں کچھ واضح نصوص موجود نہ ہوں۔ اس بناء پر قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام میں یہ عقیدہ کس طرح نمو پذیر ہوا، جب کہ قرآن اور اس کے بعد حدیث، جو اسلام کے بنیادی مصادر ہیں، ان دونوں میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عصمت انبیاء کے بارے میں کوئی واضح نص نہیں ملتی۔ بلکہ اس کے برخلاف، ان کے تذکرے میں جس قدر آیات ہیں، وہ سب کلیتہً اس عقیدے کی نفی کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کتب تفاسیر میں ان آیات کے ذیل میں طول طویل بحثیں ہیں جن میں اس قسم کی تمام آیات کی تاویلیں کی گئی ہیں۔

اس سلسلے میں بعض مستشرقین اس طرف گئے ہیں کہ اسلام میں یہ عقیدہ یہودیوں کی مذہبی کتابوں کے راستے سے داخل ہوا ہے۔ لیکن یہ ایک ایسا بے بنیاد خیال ہے، جس پر وہ خود بھی کوئی دلیل نہیں لا سکے اس لئے کہ عہد نامہ قدیم (Old Testament) کی طرف جب ہم رجوع کرتے ہیں تو اس میں کسی مقام پر کوئی ایسی آیت نہیں ملتی، جس کو انبیاء بنی اسرائیل کی عصمت کے ثبوت میں دلیل کے طور پر پیش کیا جا سکے، بلکہ اس کے برخلاف، اس کی مختلف کتابوں میں اتنی آزادی کے ساتھ انبیاء و رسل کی خطاؤں اور لغزشوں کو بیان کیا گیا ہے، جن کو دیکھ کر ان کی عصمت کا کوئی تصور ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ حضرت آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ، داؤد، سلیمان، ایوب، اشعیاء، عزرا وغیرہ کی خطاؤں کا متعدد مقامات پر اس انداز سے تذکرہ ملتا ہے گویا انبیاء کے لئے ارتکاب خطاء و عصیاں ایک امر عادی ہے۔ اس کے بعد عہد نامہ جدید (New Testament) کی جب ہم ورق گردانی کرتے ہیں تو اس کے بیانات اس سلسلے میں سراسر مایوس کن ہیں۔ اس لئے کہ اناجیل (Gospels) اور رسائل (Epistles) کے مصنفین نے صفت عصمت کو صرف یسوع (Jesus) کے لئے جائز رکھا ہے۔ یہ بھی اس حیثیت سے نہیں کہ وہ نبی تھے بلکہ "مسیح" کی حیثیت سے اس کی دلیل یہ ہے کہ ان کے علاوہ تلامذۂ مسیح یا دیگر انبیاء و رسل کے بارے میں اس امر کا کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ وہ معصوم تھے، یا ان سے خطا اور غلطی کا ارتکاب نہیں ہوتا تھا۔ کچھ محققین اس طرف گئے ہیں کہ اسلام میں عصمت انبیاء کا تصور بعض مشکوک الصحت کتابوں (Apocrypha) کے راستے سے داخل ہوا ہے[1] چنانچہ اس سلسلے میں انھوں نے دعائے منسّی (Prayer of Manasses)

---

[1] Tisdal: Religion of the Crescent: p. 21

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا ذکر کیا ہے۔ اس میں چند مقامات پر انبیاء علیہم السلام کا جو ذکر ہے اس سے بلا شبہ ان کی عصمت کی طرف خیال راجع ہو سکتا ہے مثلاً دعائے منسّی کا مصنف ایک مقام پر کہتا ہے:

"پس اس صورت میں اے پالنے والے! اے الٰہ الحق! تو نے ابراہیم و اسحاق و یعقوب کے لئے توبہ کو فرض نہیں کیا، جنھوں نے تیری کوئی خطا نہیں کی، لیکن تو نے اس کو میرے اوپر فرض کیا ہے، میں گناہگار ہوں[1]"

اسی طرح عہد ابراہیم میں ایک مقام پر ابراہیم کے ذکر میں آتا ہے" وانّہ بدون خطیئۃ" (وہ خطاؤں سے مبرّا تھے)

اس میں شک نہیں کہ مذکورہ بالا دونوں روایات کسی حد تک اسلام میں عقیدہ عصمتِ انبیاء کا ماخذ قرار دی جا سکتی ہیں، لیکن اس وقت تک ان کو اصل نہیں بنایا جا سکتا، جب تک قرآن اور اس کے بعد اقوالِ رسولؐ سے ان کی تائید نہ ہو۔ چنانچہ اس خیال کو لے کر جب قرآنِ مجید کا مطالعہ کیا جاتا ہے، تو معلوم ہوتا ہے کہ پورے قرآن میں کوئی ایک آیت بھی ایسی نہیں ہے، جس سے انبیاء کی عصمت پر روشنی پڑتی ہو بلکہ اس کے برخلاف متعدد مقامات پر اس میں انبیائے اولوالعزم: حضرت آدم، نوح، موسیٰ، داؤد وغیرہم کے حق میں ارتکاب معاصی کی طرف، نہ صرف اشارے بلکہ صراحت تک ملتی ہے۔ چنانچہ جنت سے حضرت آدم کے اخراج کا سبب ہی قرآن مجید نے ان کے عصیان کو قرار دیا ہے جیسا کہ ذیل کی آیت سے واضح ہوتا ہے:

وَقُلْنَا يَآ اٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ، فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا	ہم نے آدم سے کہا: اے آدم! تم اور تمھاری بیوی دونوں جنت میں رہو اور جس طرح چاہو کھاؤ پیو، امن چین کی زندگی بسر کرو! مگر دیکھو! اس درخت کے قریب ہرگز نہ جانا ورنہ تمھارا شمار معصیت کاروں

[1] دیکھئے: Dictionary of Bible مادّہ "Sin"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۔ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ

(البقرہ ۳۵-۳۶)

میں ہوجاؤ گے ۔ اس پر بھی شیطان نے ان کے قدم ڈگمگا دیے اور بالآخر ان کو اس سکون کی زندگی سے نکال دیا ۔ اب ہم نے کہہ دیا: یہاں سے نکل جاؤ! تم میں سے بعض بعض کا دشمن ہے ۔ اب تمھیں (بجائے جنت کے) زمین میں رہنا ہے اور ایک خاص وقت تک وہاں کی زندگی سے متمتع ہونا ہے ۔

اس کے بعد آدم و حوا کی طرف سے اپنی معصیت کا اعتراف بھی اسی لفظ کے ساتھ ہے جس لفظ کے ساتھ اللہ نے ان کی تحذیر کی تھی ، ملاحظہ کیجیے:

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ

(الاعراف ۲۳)

ان دونوں (آدم و حوا) نے کہا: اے ہمارے پالنے والے! ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو یقیناً ہم خسارہ اٹھانے والوں میں ہوجائیں گے ۔

ایک مقام پر حضرت موسیٰؑ کے بارے میں قرآن کا یہ بیان ہے:

قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ، قَالَ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ ، فَغَفَرَ لَهٗ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ (القصص ۱۵-۱۶)

(موسیٰ نے) کہا: یہ ایک شیطانی عمل ہے ۔ بے شک وہ دشمن ہے اور صریحاً بہکانے والا ہے، کہا: اے میرے رب! میں نے اپنے اوپر ظلم کیا، مجھے معاف کر ۔ پس اللہ نے ان کو معاف کردیا، بے شک وہ بخشنے والا اور مہربان ہے ۔

یہ آیت اس موقع کی ہے، جب حضرت موسیٰؑ نے ایک قبطی کو قتل کیا اور مدین کی طرف نکل کھڑے ہوئے ۔

ایک دوسرے مقام پر حضرت داؤد کی معصیت کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ وہ موقع ہے جب دو آدمی ان کے پاس جھگڑتے ہوئے آئے۔ ان میں سے ایک کا یہ دعویٰ تھا کہ دوسرے نے اس کی ایک بھیڑ لے لی ہے۔ اس پر حضرت داؤد نے فیصلہ صادر کیا جس کا بیان قرآن میں حسبِ ذیل انداز پر ہے۔

وَظَنَّ دَاوُدُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ، فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ (سورۃ ص ع ۲)

اور داؤد کو (اس سے) خیال گزرا کہ ہم نے ان کا امتحان لیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے پروردگار سے استغفار کی اور سجدے میں گر پڑے اور رجوع ہوئے

ان آیات کے معانی اس وقت اور زیادہ واضح ہو جاتے ہیں، جب قرآن مجید کے ان مقامات کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، جہاں اس نے غیر انبیاء کی خطاؤں اور معاصی کا ذکر کیا ہے چنانچہ دونوں کا مقابلہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ جو الفاظ اور تعبیرات قرآن مجید میں اعتراف گناہ کے سلسلے میں انبیاء کے لئے ملتی ہیں، بعینہٖ وہی الفاظ غیر انبیاء کے بھی ہیں، ملاحظہ ہو:

وَقَارُونَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مُوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ، فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانُوا سَابِقِينَ، فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنْبِهِمْ فَمِنْهُمْ مَنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُمْ مَنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُمْ مَنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ وَمِنْهُمْ مَنْ أَغْرَقْنَا، وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ

(العنکبوت ۳۹-۴۰)

نیز قارون و فرعون اور ہامان، حالانکہ موسیٰ ان کے پاس کھلی ہوئی دلیلیں لے کر آئے تھے، لیکن انھوں نے زمین میں سرکشی کی اور وہ فرار اختیار نہ کر سکے۔ پس ہم نے ان سب کو ان کے گناہ کی پاداش کے طور پر اپنی گرفت میں لے لیا۔ ان میں سے بعض پر ہم نے تند ہوا بھیجی، بعض کو ہولناک آواز نے آدبایا اور بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور کچھ کو ان میں سے پانی میں غرق کر دیا۔ اللہ یقیناً ایسا نہیں ہے کہ وہ ان پر ظلم کرتا، لیکن وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ

اور ہم نے پیغمبروں کو خاص اسی لئے مبعوث

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بِإِذْنِ اللّٰهِ، وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ، فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ، وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا۔ (النساء ۶۴)

فرمایا کہ بحکم خدا وندی ان کی اطاعت کی جائے۔ کاش جس وقت وہ اپنا نقصان کر بیٹھے تھے اسی وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ سے استغفار کرتے اور رسول بھی ان کے لئے اللہ سے استغفار چاہتے تو یقیناً وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پاتے۔

یہ چند آیات ہیں، جو صرف نمونے کے طور پر یہاں نقل کی گئی ہیں، ورنہ پورے قرآن میں جگہ جگہ انبیاء کی خطاؤں اور لغزشوں کو بیان کیا گیا ہے۔ متکلمین اسلام نے اگرچہ اس قسم کی تمام آیات کی تاویلیں کی ہیں، پھر بھی عمومی حیثیت سے، ان نصوص کی روشنی میں انبیاء کو زلات اور نیم زلات سے مبرا نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اس میں شک نہیں کہ کچھ آیات کے بارے میں یہ کہنا بالکل درست ہے، کہ ان میں دورِ نبوت سے قبل کی سرگذشت کو بیان کیا گیا ہے، لیکن منصب نبوت ملنے کے بعد بھی قرآن مجید کسی مقام پر اس کی صفائی نہیں دیتا کہ انبیاء سے بشری کمزوریوں کو سلب کر لیا گیا تھا، چنانچہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے ایک عام قاعدہ تمام انبیاء کے لئے سنا دیا گیا ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ وَّلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنّٰى أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ (الحج)

ہم نے آپ سے قبل کوئی رسول اور نبی ایسا نہیں بھیجا، جس کو اس سے دوچار ہونا نہ پڑا ہو کہ جب بھی اس نے کچھ پڑھا تو شیطان نے اس کے پڑھنے میں شبہ ڈال دیا۔

یہ نصوص تو عام انبیاء کے بارے میں ہیں جن میں واضح طور پر ان کی طرف گناہ اور عصیاں کی نسبت دی گئی ہے۔ لیکن یہ دیکھ کر حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی کہ خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں بھی اسی قسم کی آیات ملتی ہیں،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سلسلے میں سب سے مشہور آیت ہے:

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى . . . (عبس)

(پیغمبر) چیں بجبیں ہوئے اور منہ پھیرلیا، اس پر کہ ان کے پاس ایک نابینا آیا اور آپ کو کیا خبر شاید وہ سنور جاتا یا نصیحت قبول کرلیتا اور نصیحت کرنا اس کو فائدہ پہنچاتا۔

ان آیات کی شان نزول ہم ایک مشہور شیعہ مفسر علامہ طبرسی (متوفی ۵۴۸ھ) کی تفسیر "مجمع البیان" سے نقل کرتے ہیں: کہا گیا ہے کہ یہ آیات عبداللہ بن مکتوم کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جن کا پورا نام یہ ہے: عبداللہ بن شریح بن مالک بن ربیعہ الفہری۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یا رسول اللہ! جو کچھ اللہ نے آپ کو تعلیم دی ہے، اس میں سے آپ کچھ مجھے بھی بتائیے۔ آنحضرت اس وقت عتبہ بن ربیعہ، ابوجہل بن ہشام، عباس بن عبدالمطلب اور فرزندان خلف اُبیّ اور اُمیہ سے بات چیت میں مصروف تھے اور ان کو اسلام کی طرف دعوت دے رہے تھے۔ عبداللہ بن مکتوم نے یہ لحاظ کئے بغیر کہ آپ اس وقت دوسروں سے ہم کلام ہیں، کئی مرتبہ یہ جملے دہرائے۔ اس پر آنحضرتؐ چیں بجبیں ہوگئے اور اپنے دل میں کہا کہ یہ لوگ کہیں گے کہ ان کے متبعین اندھے اور غلام ہیں۔ یہ سوچ کر آپ نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا اور بدستور ان ہی لوگوں سے مخاطب رہے اس پر اس آیت کے ذریعے اللہ نے آپ کو تنبیہہ فرمائی۔ مؤلف کا بیان ہے کہ اس کے بعد سے آں حضرتؐ آپ کا بڑا اکرام کرنے لگے اور جب بھی ان کو دیکھتے تو کہا کرتے تھے، میں اس کو مرحبا کیوں نہ کہوں جس کی وجہ سے اللہ نے میری تنبیہہ کی اور ہمیشہ ان کی ضروریات کے بارے میں دریافت کرتے رہتے تھے۔

آیت کی مذکورہ بالا شانِ نزول سے، میرے مطالعے کی حد تک عامہ اور خاصہ میں سے کسی نے سوائے سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کے کوئی اختلاف نہیں کیا۔ ان کا بیان ہے کہ ظاہر آیت میں ایسی کوئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دلالت نہیں ہے جس کے تحت عَبَسَ کی ضمیر کو رسول اللہؐ کی طرف پھیرا جا سکے بلکہ یہ صرف ایک خبر ہے، جس میں مخبر عنہ کی کوئی تصریح نہیں ہے بلکہ اس کے برخلاف آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ "عبوس" ایسی صفت ہے جس کو دشمنوں کے لئے بھی رسول اللہؐ سے منسوب کرنا اچھا نہیں معلوم ہوتا چہ جائیکہ مؤمنین کے لئے اس کے علاوہ اغنیاء اور صنادید کی طرف کامل توجہ اور فقراء کی طرف سے بے اعتنائی آپ کے اخلاق کریمہ کے منافی ہے، اس لئے کہ آپ کے بارے میں یہ آیت ہے "اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ" (اے رسولؐ تم خلق عظیم پر فائز ہو) اس سے صاف ظاہر ہے کہ عَبَسَ کی ضمیر رسول اللہ کے علاوہ کسی دوسرے ہی کی طرف راجع ہو سکتی ہے۔

آیت کی یہ تاویل اتنی بعید اور دور از کار ہے، جس کو سید مرتضیٰ جیسے صاحب بصیرت عالم اور متکلم سے نسبت دینا بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا اس لئے کہ پہلی آیت "عَبَسَ وَتَوَلّٰى اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى" میں عبوس کی نسبت اسی کی طرف دی گئی ہے جس کے پاس ایک اندھا آیا تھا، اس کے بعد دوسری ہی آیت میں خطاب شروع ہو جاتا ہے اور خطاب کا انداز بالکل وہ ہے جو صرف رسول اللہؐ ہی سے متعلق ہو سکتا ہے پھر دوسری طرف یہ امر بھی مسلم ہے کہ پورے قرآن میں انبیاء کے علاوہ اللہ نے کسی کو مخاطب نہیں کیا، اس لئے یہ بات کس طرح عقل میں آسکتی ہے کہ یہ آیت کسی دوسرے سے متعلق ہو۔ اس کے علاوہ مخبر عنہ اگر اتنا مجہول ہے کہ تاریخ میں اس کا کہیں نام نہیں ملتا اور خود سید مرتضیٰ بھی اس کی کوئی نشاندہی نہ کر سکے، تو پھر اس کی حیثیت ہی کیا رہ جاتی ہے اور اس کے کسی منافی اخلاق فعل پر تنبیہ کیا معنی؟

صاحب مجمع البیان نے اس آیت کے ذیل میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ یہ آیت بنی امیہ کے ایک شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو رسول اللہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اسی اثناء میں عبداللہ بن مکتوم آ گئے۔ اس شخص نے جب ان کو دیکھا تو چیں بجبیں ہو گیا اور ان کی طرف سے منہ پھیر لیا اسی واقعہ کی حکایت اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کی ہے لیکن اسی کے ساتھ خود ان ہی امام جعفر صادقؑ سے یہ روایت بھی ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی عبداللہ بن مکتوم کو دیکھتے تھے تو کہتے تھے مرحبا! مرحبا! لا واللہ! اللہ آپ کے بارے میں کبھی میرے اوپر عتاب نہ کرے گا اور یہاں تک ان کے ساتھ لطف و مہربانی کا برتاؤ کرتے تھے کہ بسا اوقات وہ رسول اللہ کو اس سے روکتے تھے۔

(۲) وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ (اے رسول! اللہ نے تم کو بھٹکا ہوا پایا تو تمھاری ہدایت کی۔

(۳) لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ تاکہ اللہ تمھارے اگلے اور پچھلے تمام گناہوں کو بخش دے۔

اول الذکر آیت میں رسول اللہ کے لئے "ضال" کا لفظ قرآن نے استعمال کیا ہے۔ دوسری آیت میں صاف طور پر "ذنب" کا لفظ ہے، جس کا صدور عام انبیاء کے لئے بھی جائز نہیں چہ جائیکہ قرآن خاتم الانبیاء کی طرف اس کو منسوب کر رہا ہے۔

ان آیات کے پیش کرنے سے میرا کسی طرح یہ مقصد نہیں ہے کہ معاذ اللہ حضرت ختمی مرتبت سے گناہ سرزد ہوتے تھے یا ان آیات کی روشنی میں آپ کو گنہگار اور عاصی تصور کیا جائے بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ اس قسم کی آیات کی موجودگی میں قرآن کو عصمتِ انبیاء کا ماخذ نہیں قرار دیا جا سکتا۔ میرے پیشِ نظر وہ آیات بھی ہیں جن میں انبیاء و رسل کے اصطفاء و اجتبا کا ذکر ہے اور عامۃ الناس کے لئے ان کو مطاع مطلق قرار دیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے متکلمینِ اسلام نے ان آیات کے جو محمل قرار دئے ہیں، وہ بڑی حد تک صحیح ہو سکتے ہیں اور ان آیات میں تاویل کئے بغیر ایک مسلمان کے لئے چارۂ کار بھی نہیں ہے۔

قرآن کے بعد اسلامی عقائد کا دوسرا ماخذ احادیث ہیں۔ لیکن اس خیال کو ذہن میں لے کر جب ہم اقوالِ پیغمبر کی طرف رجوع کرتے ہیں تو وہاں بھی ایسی کوئی حدیث نہیں ملتی جس میں انبیاء یا ائمہ کو معصوم کہا گیا ہو۔ رسول اللہ نے متعدد موقعوں پر اپنے اہلِ بیت اور اصحاب کے فضائل بیان کئے ہیں، خصوصاً، ابو الائمہ حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کے بارے میں تو تمام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محدثین اہلِ سنت یہ لکھتے ہیں کہ صحابہ کرام میں جس قدر فضائل حضرت امیر کے وارد ہوئے ہیں، اتنے کسی صحابی کے وارد نہیں ہوتے، بایں ہمہ کسی حدیث میں معصوم ان کو بھی نہیں کہا گیا۔

بہر حال قطع نظر اس امر کے کہ قرآن اور اس کے بعد حدیث، یہ دونوں عصمتِ انبیاء کے بیان سے خاموش ہیں، اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ قرونِ اولیٰ کے متکلمین نے اپنی کسی تصنیف میں عصمتِ انبیاء کے عقیدے کا کوئی ذکر نہیں کیا، حالانکہ یہ وہ دور تھا، جب ان کے سامنے پہلا کام عیسائیت (Christianity) کا دفاع تھا اور یہ عقیدہ اس سلسلہ میں بہت زیادہ مفید مقصد ہو سکتا تھا۔ چنانچہ عقائد اہلِ سنت میں پہلا رسالہ عبداللہ بن اسماعیل الہاشمی کا ہے، جو اس نے عبدالمسیح بن اسحاق الکندی کے لئے تحریر کیا تھا،[1] جس کی تصنیف خلیفہ عباسی مامون الرشید (۸۱۳-۸۳۳ء) کے زمانے میں ہوئی ہے۔ اس رسالے کی تصنیف کی غرض اگرچہ مُرسَل الیہ کو دینِ اسلام کی صحت سے مطمئن کرنا تھا، بایں ہمہ اس نے کسی مقام پر عصمتِ انبیاء کے عقیدے کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ اس کے علاوہ خود کندی نے اس کی رد میں جو رسالہ لکھا ہے، جس میں اس نے پیغمبرِ اسلام کی نبوت کی صحت کے عدمِ اعتراف کے اسباب کے لئے ایک طویل باب اپنے رسالے میں رکھا ہے۔ اس میں بھی، اس نے اصلاً یا ضمناً عصمت انبیاء کا ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ پیغمبرِ اسلام کی نبوت کی صحت کے عدمِ اعتراف کے اسباب پر اس نے مفصل بحث کی ہے۔

دوسرا رسالہ: کتاب الدین والدولة[2] ہے، جو متوکل کی خلافت (۸۴۷-۸۶۱ء) کے زمانے میں لکھا گیا ہے۔ اس میں بھی اس عقیدے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ حالانکہ اس کا مؤلف علی الطبری ہے، جو نصرانی سے مسلمان ہوا تھا۔ یہ وہ دور تھا، جب توراۃ و انجیل اور پیغمبرِ اسلام کی تعلیمات

---

[1] ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنالڈ (Preaching of Islam) ذیلِ اول، و کتاب احتجاج الکندی ترجمہ سر ولیم میور

[2] کتاب الدین والدولة ترجمہ Mingana طبع لندن، ۱۹۲۲ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے درمیان اختلافات پر بحثیں جاری تھیں، باایں ہمہ کسی مقام پر اس نے اس امر کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا کہ اسلام میں عصمت انبیاء کا عقیدہ نصرانیت کے اثر سے پیدا ہوا۔

معلوم ہوتا ہے کہ دوسری صدی ہجری کے آخر تک اس عقیدے نے علم کلام میں کوئی جگہ حاصل نہیں کی تھی بلکہ اس کے بعد بھی تقریباً دو سو سال تک پورا اسلامی ادب عصمت انبیاء کے ذکر سے خاموش نظر آتا ہے چنانچہ دسویں صدی عیسوی میں پہلی مرتبہ فقہ اکبر نامی کتاب میں اشاتی انداز پر اس کا ذکر ملتا ہے۔ البتہ اسی کے متوازی جب ہم شیعہ کتب احادیث کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہاں کثرت کے ساتھ ائمہ اثنا عشری کی عصمت پر احادیث ملتی ہیں۔ شیعوں کے یہاں چوں کہ عقیدہ امامت ایک بنیادی عقیدہ ہے اور ان کے نزدیک امام کا معصوم ہونا بھی ضروری ہے اس لئے انبیا بدرجہ اولی معصوم قرار پاتے ہیں۔ اس لحاظ سے مشہور مستشرق گولڈزیہر (Goldzihar) کا یہ بیان حقیقت سے بہت قریب معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں یہ عقیدہ اس دور میں پیدا ہوا، جب شیعہ علم کلام کو ترقی ہوئی اور امامت وغیرہ پر بحثوں کا سلسلہ جاری ہوا۔ یہ خیال اس وقت اور زیادہ پختہ ہو جاتا ہے، جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خود جناب رسالت مآب اور امیر المؤمنین علی بن ابی طالب کے ارشادات میں کوئی قول ایسا نہیں ملتا جو ائمہ اثنا عشری کی عصمت کے سلسلے میں دلیل بن سکے بلکہ یہ کہنا بھی خلاف حقیقت نہ ہوگا کہ "معصوم" کا لفظ ہی ائمہ کے دور سے قبل نہیں ملتا۔

بہر حال اس سلسلے میں متکلمین شیعہ حسب ذیل آیات سے ائمہ کی عصمت کو ثابت کرتے ہیں۔

۱۔ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ (سورۃ ص ۸۲-۸۳)	شیطان نے کہا: تیری عزت کی قسم میں ان سب کو گمراہ کروں گا، سوائے ان کے جو تیرے مخلص بندے ہیں۔

(باقی آئندہ)

© rasailojaraid.com